بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قافلۂ مہر و وفا

ڈاکٹر ابصار احمد

قارئین کے علم میں ہے کہ مرکزی انجمن القرآن لاہور کا آغاز برادرِ محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی کم و بیش بیس سال کی مساعی بسلسلہ تحریک رجوع الی القرآن اور پاکستان کے اطراف و اکناف میں قائم حلقہ ہائے دروس قرآنی کے نتیجے کے طور پر ۱۹۷۲ء میں ہوا۔ صدر مؤسس کے ان الفاظ پر جو انجمن کی تاسیس کی غرض و غایت بنے' نظر ڈال لینا مفید ہوگا۔ ''مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے قیام کا مقصد منبع ایمان اور سرچشمہ یقین قرآن حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے اور اعلیٰ علمی سطح پر تشہیر و اشاعت ہے' تاکہ اُمتِ مُسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدید ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے اور اس طرح اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی کی راہ ہموار ہو سکے۔ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ'' —— یہ عبارت انجمن کی اکثر مطبوعات اور جریدہ ہذا کے بیک کور پر بھی اس غرض سے دی جاتی ہے کہ وابستگانِ انجمن کا شعوری ذہنی تعلق اس مقصد جلیلہ سے جڑا رہے اور وہ سب ''جہاد بالقرآن'' کے مبارک مشن میں حتی المقدور حصہ ڈالنے کی کوشش کریں۔

یہاں قارئین کی یاددہانی کے لیے عرض ہے کہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے جماعت اسلامی سے علیحدگی کے قریباً دس سال بعد یعنی ۱۹۶۶ء میں شائع ہونے والی اپنی تحریر ''اسلام کی نشأۃ ثانیہ۔ کرنے کا اصل کام'' میں کتاب اللہ کے عوامی دروس کے ساتھ ساتھ اعلیٰ علمی کام کی اہمیت بھی اُجاگر کی تھی جس کے ذریعے ذہین عناصر اسلام کی حقانیت کو قبول کر کے اسلام کے احیائے ثانی میں ممد ہوں گے۔ اسی طرح ''جہاد بالقرآن کے پانچ محاذ'' کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بہت ہی اہم تصنیف ہے جس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ میری خواہش ہو گی کہ انجمن کے تمام متوسّلین اس کتابچے کو دوبارہ بالاستیعاب پڑھیں اور خدمت قرآنی کی مختلف جہتوں اور محاذوں —— جاہلیتِ قدیمہ' جاہلیتِ جدیدہ' بے یقینی' نفس پرستی اور شیطانی ترغیبات' اور فرقہ واریت —— کے بارے میں قرآنی آیات کی روشنی میں نہایت جامع اور مانع آگہی حاصل کریں۔ ڈاکٹر صاحب نے صرف بتیس (۳۲) صفحات میں یہ اہم مضامین سمو دیے ہیں۔ اگرچہ جہاد اور قرآن کے فرائض دینی کی وضاحت والے پہلے حصے کے ساتھ کتابچے کی کل ضخامت ۹۵ صفحات کی ہو جاتی ہے۔

جہاد بالقرآن کے ضمن میں مرکزی انجمن خدام القرآن کے تحت صدر مؤسّس نے لاہور میں دروسِ قرآن'

تقاریر‘ خطباتِ جمعہ‘ قرآن کانفرنسوں اور محاضراتِ قرآنی کے انعقاد‘ قرآنی تربیت گاہوں کے انصرام اور قرآنی و دینی سلسلہ اشاعت کے انتظامات کیے۔ ماڈل ٹاؤن لاہور میں ۱۹۷۰ء کے اواخر میں قرآن اکیڈمی کا سنگ بنیاد رکھا گیا‘ جس میں نامکمل تعمیرات کے ساتھ ہی اکیڈمی کے تعلیمی پروگراموں (فیلوشپ سکیم‘ اور دوسالہ دینی علوم کی تعلیم) کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ ازاں بعد ایک سالہ ’رجوع الی القرآن کورس‘ کا آغاز ہوا جس میں چند سال بعد دوسرے سال کا ایڈوانسڈ کورس بھی شروع کیا گیا۔ چنانچہ یہ گزشتہ لگ بھگ پینتیس (۳۵) سال سے باقاعدگی سے چل رہے ہیں۔ ’رجوع الی القرآن کورس‘ کے پہلے سال کی کلاس میں خواتین کی بھی باپردہ شرکت ہوتی ہے اور اس طرح وہ بھی بڑی تعداد میں اس کورس سے استفادہ کر رہی ہیں۔ انجمن کے جریدے ’حکمتِ قرآن‘ کی طرف بھی خصوصی توجہ دی گئی۔ اور کوشش کی جاتی ہے کہ اس کے مضامین سے قارئین کے دینی علمی ذوق کو مہمیز ملے۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ سیکولر اور لبرل افکار ہمارے جدید تعلیم یافتہ طبقے میں ایمان و یقین کی تھوڑی بہت پونجی کو بھی تیزی سے ختم کر رہے ہیں۔ تشکیک اور سیکولر بے خدا اندازِ فکر بالخصوص اعلیٰ تعلیمی اداروں کے فاضلین کو دین و مذہب سے دور کر رہا ہے۔ ملحدانہ ہیومن ازم ایک وائرس کی طرح نام نہاد اسلامی ذہنوں کو لگ چکا ہے اور فکر و سوچ کے سارے پیمانے کتاب وسنت سے لاتعلق ہو گئے ہیں اور کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی تشریح و تعبیر کے ’ہیومن اسٹ‘ رنگ بڑے پیمانے پر پرنٹ اور الیکٹرانک ذرائع سے پھیلائے جا رہے ہیں۔

قرآنی مابعد الطبیعیات کے مطابق انسان کی روح میں ابتدائے آفرینش سے اپنے واحد خالق و مالک — اللہ سبحانہ وتعالیٰ — کی پہچان اور اقرار رکھ دیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ لقمان میں حضرت لقمان‘ جن کے بارے میں مفسّرین کا تقریباً اجماع ہے کہ نہ وہ رسول تھے نہ کسی رسول کے امتی تھے‘ کے بارے میں جب ہم ان کی اپنے بیٹے کو نصیحتوں کا بیان پڑھتے ہیں تو وہ سب سے پہلے بیٹے کو ایک خالق و مالک یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ قرآن حکیم ان کا ذکر ایک دانا اور حکیم شخص کے طور پر کرتا ہے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ علم و عرفان کی خدائی سکیم میں اپنے خالق کا اقرار بنیادی پتھر ہے جو ہر بچے کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے۔ یعنی اصل دانائی‘ دانشمندی اور حکمت یہ ہے کہ ہر شخص اپنی فطرتِ سلیمہ کے مطابق توحید کے ساتھ اللہ کو پہچانے اور اپنے وجود اور زندگی کے حوالے سے اس کا شکر گزار بندہ بنے۔ انسانی فطرت کی اس اجمالی تصدیق کی مزید تصویب و تائید اور تصریح و توضیح تنزیل ربانی یعنی قرآن مجید کی تعلیمات سے ہوتی ہے جسے بعض مفسرین کے مطابق سورۂ نور میں ’نُورٌ عَلٰی نُور‘ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے‘ یعنی انسان کی فطرت کے تقاضوں کا قرآن کریم کی ہدایات کے ساتھ کامل تطابق اور اس طرح نورِ فطرت اور نورِ تنزیل ربانی کامل کر رشد و ہدایت کا مکمل ہونا۔

قرآن مجید کے مطابق اسلام دین فطرت ہے اور اس context میں اس نے ’قلب‘ اور ’صدر‘ کی علمیاتی حیثیت اجاگر کی ہے۔ اگرچہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ فطرتِ انسانی تفصیلی احکامِ شریعت‘ اوامر و نواہی یا حلال و حرام کا تعین کر سکتی ہے۔ ہمارے ہاں بعض متجدّدین نے اس معاملے میں شدید ٹھوکر کھائی ہے۔ پوسٹ

ماڈرن 'مسلم' دانشور اس سلسلے میں اور بھی آگے چلے گئے ہیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک دین کو حقیقتِ مطلقہ کا علم قرار دینا بھی قابل قبول نہیں ہے۔ اس نفسیاتی اُپچ کے لوگ واقعتاً قابلِ رحم ہیں کہ وہ حق کی جانی پہچانی عظیم شاہراہ کو چھوڑ کر اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہیں۔ ان کی نگارشات پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ یہ بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے ہیں' اور ان کا نقطہ نظر نری سوفسطائیت ہے جس کے لیے علم کی دنیا میں کوئی وقعت نہیں ہے۔ راقم یہاں ایک موقر انگریزی روزنامہ میں حال ہی میں چھپنے والے ایک مضمون (Dialects of Our History) میں پیش کیا گیا خیال نقل کرے گا:

"Once established, truth congeals into absolute truth, and consequently turns into dry dogma."

اس جملے میں پیش کردہ علمیات کے مطابق حق وصداقت ایک بالکل اضافی صفت ہے اور اگر اس کا اثبات کسی درجے میں ہو بھی جائے تو یہی مزعومہ صداقت مطلق صداقت (absolute truth) کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے اور اس سطح پر اس کی حیثیت خشک و بے جان ڈھکوسلے سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی۔ تشکیک اور جدیدیت کے زیر اثر یہ پورا علمیاتی منہج اخبارِ وحی کی ضیا تابانیوں پر تشکیل پانے والے علم وعرفان اور زندہ ایمانی احساسات و جذبات کو بالکل درخورِ اعتناء نہیں سمجھتا۔ ہمارا جدیدیت گزیدہ دانشور طبقہ ایمانیات کے مصدر تلقی (کتاب اللہ وسنت رسول ﷺ) اس کی ثقہ روایت اور حتمیت وقطعیت سے قطعاً نابلد ہے اور اس طرح وہ تاریخ کی مکمل روشنی میں شروع ہونے والے انقلابِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اساسی دین اور اس کی علمیات سے کاملتاً اغماض برتتے ہیں یا محجوب ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس علمی روایت میں فہم کے مستند ترین مراجع اور درست ترین پیمانے اس طرح متعین ہیں کہ وہ متلاشیانِ معرفتِ حق کو کبھی مایوس نہیں کرتے اور سنت و جماعت کی بنیاد پر مسلمانوں کے 'سوادِ اعظم' بمعنی غالب اکثریت کی تشکیل کرتے ہیں۔

مدیر ''ایقاظ'' جناب حامد کمال الدین نے اس مثالی پیمانے یا وہ دائرہ جس میں حق محصور ہے اور جس کی بنیادیں محکم ترین ہیں' کو جس خوبصورتی' تفصیل اور existential ethos سے بیان کیا ہے' وہ معرکۃ الآرا اور قابل مطالعہ ہے۔ چنانچہ راقم قدرے طوالت کے باوجود انہیں یہاں نقل کر رہا ہے تاکہ قارئین کے اذہان میں کسی درجے میں یہ احساس پیدا ہو سکے کہ ہمارے ایمانیات کا معاملہ 'خشک و بے جان' قضایا کا نہیں' بلکہ ان کی بنت میں محبت و وفاداری' گرمیٔ نفس' غایت درجہ احترام وعقیدت اور والہانہ پن پایا جاتا ہے۔

''یہ دراصل وہی پیمانہ ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی تئیس سال کی محنت سے مالک آسمان کی ہمہ وقتی نگرانی کے تحت ایک جیتے جاگتے انسانی واقعہ کی صورت میں تشکیل دیا اور پھر رہتی دنیا تک خود آپ اپنی زبان سے اس کو ''حق'' ہونے کی سند عطا فرمائی۔ ہماری مراد ہے مدرسہ اصحابِ رسول ﷺ۔

یہ ایک باقاعدہ مدرسہ ہے جو وحی اور صاحبِ وحیؐ کے رموز و اشارات تک کو جان گیا تھا۔ اور یہ صلاحیت اس نے خود صاحب وحی ﷺ کے زیر تعلیم اور زیر تربیت رہ کر اور طویل سالوں تک ایک ایک پل رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں گزارنے کے نتیجے میں حاصل کی تھی۔ (اور یہ وہ بات ہے جس کا دعویٰ کوئی

اور شخص یا دبستان کر ہی نہیں سکتا)۔ جلد ہی اس مدرسہ میں پڑھنے والے پھر آگے پڑھانے لگے۔ خدا کا کرنا اس مدرسہ کے جیتے جی آدھی دنیا اسلام کے قدموں میں ڈھیر ہوگئی‘ جس سے اس مدرسہ کو ایک بڑی دنیا کو پڑھانے سدھانے اور چلانے کا موقع ملا‘ اور شاید ہی کوئی اصولی معاملہ ہو جو اس کے جیتے جی اس امت کو پیش نہ آ گیا ہو۔

یہاں تک کہ وہ بڑے بڑے فتنے اور بحرانات (turmoils) بھی جو اس قدر تیزی سے پھیلتے ہوئے کسی معاشرے یا کسی قلمرو کو پیش آ سکتے ہیں‘ اس مدرسہ کی زندگی میں ہی رونما ہوئے۔ اب ان فتنوں اور ان بحرانات (turmoils) کے ساتھ یہ مدرسہ جس انداز سے پیش آیا وہ بھی ان معیارات کا حصہ بنا جنہیں اس مدرسہ میں پڑھنے والوں نے باقاعدہ ''علم'' کی طرح سیکھا اور اس کو ''پیمانہ'' باور کرتے ہوئے اپنے مابعد نسلوں کو منتقل کیا۔

یہ تابعینؒ تھے جنہوں نے سب علوم کو اور علوم کی سب فروع کو بے حد وحساب ترقی دی اور کمال انداز میں ان کی تطبیقات کیں‘ مگر اس پیمانے کی شدید ترین پابندی کرتے ہوئے جو ان کو اصحابِؓ رسول اللہؐ سے ملا تھا۔ یہ تابعینؒ تھے جو اپنے وقت کے سب فتنوں اور بحرانوں کے ساتھ پورا اترنے میں عین انہی خطوط پر گامزن رہے جن پر انہوں نے صحابہؓ کو پایا تھا‘ نیز اندرونی وحدت و شیرازہ بندی کو بھی عین انہی بنیادوں پر قائم رکھنے پر کاربند رہے جن پر صحابہؓ رہے تھے۔ یہ تابعینؒ بھی تاریخ میں یونہی وجود میں نہیں آ گئے تھے۔ انہوں نے جس طرح علمائے صحابہؓ میں سے ایک ایک کا دامن تھاما‘ جس طرح انہوں نے علمائے صحابہؓ میں سے ایک ایک کی صحبت و ملازمت اختیار کی‘ جس طرح یہ ان کے دروازوں پر ہجوم کرتے رہے‘ ان کے جوتے اٹھاتے رہے‘ ان کے حلقوں میں دم مار کر بیٹھتے رہے‘ اور جس طرح ان کے رمز شناس بنے‘ اور جس طرح یہ اصحابِؓ رسول اللہ ﷺ سے اپنے علم و فہم کی تصحیح اور توثیق کراتے رہے‘ وہ اپنی مثال آپ ہے‘ اور آج کا کوئی دبستان ایسا نہیں ہے جس کے پہلوں نے اس کے بعد والوں کے‘ اپنے دبستان کے فہمیدہ و رمز شناس ہونے کی‘ ویسی توثیق کی ہو جیسی توثیق تابعین علیہم الرحمہ کو علمائے صحابہ رضوان اللہ علیہم سے حاصل ہوتی رہی۔

پھر تابعین کے اس مدرسہ میں تبع تابعینؒ پڑھے جنہوں نے فکر و عمل کے اُن سب جوانب کو جو اصحابِؓ رسول اللہ ﷺ سے تابعینؒ کو منتقل ہو کر آئے تھے‘ خواہ یہ وہ جوانب ہوں جو لکھنے اور بولنے میں آتے ہیں اور خواہ وہ جوانب جو لکھنے اور بولنے سے بھی عیاں تر ہوتے ہیں اور باقاعدہ صحبت و رمز شناسی سے ہی مکتسب ہوتے ہیں۔ فکر و عمل کے ان سب جوانب کو یہ باقاعدہ ایک علم کی صورت میں تابعینؒ سے لیتے رہے۔

پس یہ وہی دبستانِ صحابہؓ ہے جس میں پڑھ پڑھ کر تابعینؒ آگے تبع تابعینؒ کو پڑھاتے رہے۔ (واضح رہے‘ ائمہ اربعہؒ تبع تابعینؒ میں آتے ہیں‘ یعنی یہ صحابہؓ کے پوتا شاگرد بنتے ہیں۔) اسی دبستان کو علمائے سنت کی اصطلاح میں ''سلف'' کہا جاتا ہے یعنی درحقیقت صحابہ کا مدرسہ......! جس شخص کو یہ باقاعدہ ایک تسلسل نظر نہیں آتا اور جس شخص کو اس مدرسہ کے اختیار کردہ کوئی معیارات نظر نہیں آتے اور اس کی ایک ایک چیز دوسری پر بنا کرتی ہوئی اور ایک دوسری کے ساتھ گندھی ہوئی نظر نہیں آتی......‘ وہ اس شخص سے مختلف نہیں جو نصف النہار کے سورج کو سورج ماننے پر تیار نہ ہو۔''

سطور بالا میں انگریزی روزنامہ سے لیے گئے جملے کے مصنف کی کیفیت کچھ ایسی ہی ہے کہ ایک مسلمان گھرانے اور مسلم معاشرے میں آنکھ کھولنے کے باوجود جدید افکار ونظریات اور بالخصوص پوسٹ ماڈرن مغربی مفکرین کے زیر اثر اپنی دینی روایت اور شاندار علمی ورثے سے بالکل لاتعلق اور محجوب ہوجاتا ہے۔ کہاں ایک جانب قولِ رسول ﷺ کے مطابق رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰہِ (عقل ودانش کا سرچشمہ اللہ کا خوف ہے) اور یہ نوید جانفزا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی: اتبعوا ولا تبتدعوا' فقد کفیتم ''تم اتباع کرو (یعنی کتاب وسنت کی پیروی کرو) اور نئی نئی چیزیں اور افعال خود ایجاد نہ کرو کہ تمہیں کفایت کر دی گئی ہے''۔ راقم نے اسی علم کو ایک تقریب میں جس کی روئیداد قارئین سطورِ ذیل میں پڑھیں گے ''عمدۃ العلم'' کہا یعنی انتہائی بنیادی اور ثقہ authentic علم۔

قرآن اکیڈمی کے شعبہ تعلیم وتحقیق کے ناظم حافظ عاطف وحید سلمہ نے گزشتہ سہ ماہی میں مرکزی انجمن خدام القرآن کے محاضرات علوم الحدیث کے موضوع پر منعقد کروانے میں بہت محنت کی۔ اس سلسلے میں عزیزم استاد رشید ارشد کئی ماہ کے رابطے کے بعد اسلام آباد سے دعوۃ اکیڈمی کے ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر سہیل حسن صاحب کو ان محاضرات کے لیے لاہور بلا سکے۔ ہم ان کے ممنون ہیں کہ انہوں نے وقت نکالا اور سفر کی صعوبت برداشت کی۔ اسی طرح یکم اپریل کو ہونے والے alumni کے فنکشن کی کارروائی قارئین کے لیے مطالعے کے لیے اور ریکارڈ کے لیے یہاں دی جا رہی ہے' جو انجمن کے کارکن مرتضیٰ احمد اعوان نے ٹیپ سے اتار کر مرتب کی ہے۔

☆☆☆

انجمن خدام القرآن' لاہور کے شعبہ تحقیق اسلامی کے زیر اہتمام پروگرام

''محاضراتِ علم الحدیث''

۲۷ اور ۲۸ جنوری ۲۰۱۸ء کو قرآن آڈیٹوریم کلیۃ القرآن' لاہور میں محاضراتِ علم الحدیث کا انعقاد کیا گیا' جس میں دعوۃ اکیڈمی اسلام آباد کے ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر سہیل حسن صاحب کو خصوصی طور پر مدعو کیا گیا تھا۔ انہوں نے احادیث کے موضوع پر دو خصوصی لیکچرز دیے۔ پہلا لیکچر ''تحقیق اخبار کا محدثانہ منہج'' اور دوسرا ''احادیثِ فتن اور اہلِ سنت کا موقف'' کے موضوع پر تھا۔ دونوں لیکچرز کے اختتام پر انہوں نے حاضرین کے سوالوں کے جوابات بھی دیے۔ پروگرام کے سٹیج سیکرٹری کے فرائض قرآن اکیڈمی کے استاد رشید ارشد نے سرانجام دیے۔

جناب رشید ارشد نے اپنے افتتاحی کلمات میں فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کی بشارت کے مطابق اس وقت ہم ایک ذکر کی محفل میں بیٹھے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی حیثیت اس امت میں مرکز ملت کی ہے۔ اٹھارہویں صدی میں پوری اُمت مسلمہ استعمار کا شکار رہوگئی۔ استعماری قوتوں نے ہمارے اوپر غلبہ حاصل کرنے کے لیے ہمارے

تہذیبی مظاہر کو ختم کیا۔ اسی لیے انہوں نے ہماری زبان‘ تعلیم‘ مدرسہ‘ خانقاہ‘ خاندانی نظام کو برباد کیا اور ابھی تک انہی کوششوں میں لگی ہوئی ہیں۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی شخصیت کو مجروح کرنے کے لیے دو اعتبارات سے کوششیں کیں: (۱) نبی اکرم ﷺ کی سنت اور حدیث میں اشکالات پیدا کیے۔ (۲) ختمِ نبوّت کے معاملے کو کمزور کرنے کے لیے نئی نبوت کا ڈول ڈالا‘ جس کے لیے اس خطے میں غلام احمد قادیانی کا انتخاب کیا گیا۔ یعنی ایک ہی سٹروک سے جہاد اور محبت رسول ﷺ پر ضرب لگائی گئی۔ آج نبی اکرم ﷺ کی احادیث کا انکار کرنے والے بے شمار لوگ موجود ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جدید تہذیب کو اختیار کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ نبی اکرم ﷺ کی مبارک شخصیت ہے۔ رینڈ کارپوریشن کی رپورٹ کے مطابق استعماری قوتیں تین طرح سے اسلام کو نقصان پہنچانے میں مصروف ہیں۔ ایک عام مسلمانوں میں یہ بات بہت پھیلائی جائے کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث بہت زیادہ متنازعہ ہیں۔ دوسرے اصل احادیث کے مقابلے میں ایسی احادیث سامنے لائی جائیں جو جدید تہذیب کے لیے قابلِ قبول ہوں۔ یعنی میڈیا کے ذریعے کاؤنٹر احادیث کے مجموعے کو سامنے لایا جائے۔ تیسرے تمام مذاہب کو ملا کر ایک نیا مذہب بنانا‘ جس کے ذریعے اسلام کو ایک بالکل نرم‘ معصوم اور بے ضرر مذہب کے طور پر پیش کرنا مقصود ہے۔

ڈاکٹر سہیل حسن کا تعارف کراتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ان کا خاندان تقریباً پانچ پشتوں سے حدیث کی خدمت میں لگا ہوا ہے۔ ان کے جداعلیٰ مولانا عبدالجبار عمر پوری اور دادا حافظ عبدالستار حسن دونوں اپنے دور کے بہت بڑے محدث گزرے ہیں۔ ان کے والد مولانا عبدالغفار حسن بھی محدث گزرے ہیں اور انہوں نے سولہ سال مدینہ یونیورسٹی میں تدریس کے فرائض سرانجام دیے۔ ڈاکٹر سہیل حسن صاحب نے ابتدائی تعلیم سعودی عرب میں حاصل کی۔ پھر جامعۃ الامام ریاض سے علوم الحدیث میں پی ایچ ڈی مکمل کی۔ اسلامی یونیورسٹی میں تدریس کرتے رہے۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کے رسالے کے ایڈیٹر بھی رہے۔ آج کل دعوۃ اکیڈمی میں ڈائریکٹر جنرل کی ذمہ داریاں نبھا رہے ہیں۔ ان مناصب کی بہرحال اپنی جگہ اہمیت ہے‘ لیکن ان کا سب سے بڑا اشرف نبی اکرم ﷺ کی سنت وحدیث کی خدمت ہے۔

دعوۃ اکیڈمی کے ڈائریکٹر جنرل اور اس تقریب کے مہمان خصوصی ڈاکٹر سہیل حسن نے ’’تحقیقِ اخبار کا محدثانہ منہج‘‘ کے موضوع پر لیکچر دیا۔ انہوں نے کہا کہ عربی زبان میں کسی نئی چیز کو حدیث کہا جاتا ہے۔ قرآن میں حدیث کا لفظ قصّہ‘ کہانی‘ روایت کے الفاظ میں استعمال ہوا ہے۔ محدّثین کے ہاں حدیث کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ وہ نبی اکرم ﷺ کے افعال‘ اعمال‘ اقوال اور آپؐ کی سیرت وغیرہ سب کو حدیث میں شمار کرتے ہیں۔ سنت حدیث کے مترادف کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ محدّثین نے ایک خبر یا حدیث کو نقل کرنے کے لیے کچھ شرائط رکھی ہیں‘ کیونکہ ہر ایک سے حدیث نہیں لی جاسکتی۔ اس معیار کے حوالے سے محدثین کرام نے دو بنیادی شرائط رکھی ہیں: (۱) عدالتِ راوی (۲) ضبطِ راوی۔ عدالت سے مراد وہ چیز ہے جو انسان کو تقویٰ اور شرافت پر

قائم رکھتی ہے۔ یعنی جس شخص میں عدل کی یہ صفات موجود ہوں گی تو وہی شخص پھر اس چیز کو بیان کر سکتا ہے۔ یعنی وہ شخص عاقل و بالغ ہو' اور اپنے عقائد' اخلاق اور اعمال کے لحاظ سے بالکل واضح ہو۔ تب ہی وہ عادل کہلائے گا۔ اور وہ ہر قسم کے فسق و فجور سے پاک ہو یعنی وہ کبیرہ اور صغیرہ گناہوں سے بچنے والا ہو۔ پھر اس پر جھوٹ کی تہمت بھی نہ ہو۔ ظاہر ہے نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے جھوٹ بولنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اسی طرح ضبط سے مراد یہی ہے کہ ہم حدیث کو کس طرح محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ محدثین اپنے سینوں میں محفوظ رکھتے تھے اور وہ احادیث کو لکھا کرتے تھے تاکہ ان کو آگے پہنچایا جا سکے۔ لہٰذا اس حوالے سے وہی شخص قابلِ قبول ہوگا جو ضبطِ صدر اور ضبطِ کتاب پر پورا اُترنے والا ہو۔ اور وہ پوری طرح چوکنا ہو۔ جو لوگ سست' غفلت والے' کمزور حافظے والے اور بوڑھے لوگ یعنی جن کی یادداشت کمزور ہو چکی ہے وہ حدیث بیان کرنے کے قابل نہیں ہیں۔

محدثین نے اس حوالے سے چیک کرنے کے لیے دو طریقے رکھے ہوئے تھے۔ ایک تلقین الراوی' یعنی راوی کو اس کی احادیث دے کر پوچھا جاتا کہ کیا واقعی یہ تمہاری روایات ہیں؟ جو صحیح راوی ہوگا وہ پھر بالکل کھل کر کہے گا کہ یہ میری ہیں اور میں نے اپنے استاد سے لی ہیں۔ دوسرا طریقہ مذاکرہ کا ہے' جس میں راوی سے حدیث پوچھی جاتی ہے۔ اگر اسے یاد آتی ہے تو پھر وہ صحیح ہے۔ محدثین' مفسرین اور مؤرخین بغیر سند کے کوئی چیز نقل نہیں کرتے تھے۔ آج میڈیا میں کوئی بھی خبر آتی ہے اسے ''بریکنگ نیوز'' کے طور پر نشر کر دیا جاتا ہے۔ اس کا کوئی چیک اینڈ بیلنس نہیں رکھا جاتا۔ قرآن مجید میں حکم ہے کہ کوئی خبر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ اس حکم پر محدثین نے عمل کر کے دکھایا۔ لیکن یہ حکم تمام ذرائع ابلاغ کے لیے ہے۔ محدثین احادیث کی جرح و تعدیل کے اصول پر شدت سے عمل کرتے تھے۔ یعنی انہوں نے راوی اور احادیث کو تنقیدی انداز سے جانچ پرکھ کر کے آگے ہمارے لیے بھیجا۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ بھی صحابہ کی جرح و تعدیل کرتے تھے۔ جو شخص اسبابِ جرح و تعدیل سے واقف نہیں ہوتا تھا اس سے حدیث نہیں لی جاتی تھی۔ محدثین نے حدیث کے راویوں کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے: (۱) متشدد (۲) معتدل (۳) متساہل۔ آج ہمیں صحافت کے میدان میں بھی ان چیزوں کو سامنے رکھنا چاہیے۔ ہم ان اصولوں کو سامنے رکھ کر اپنی صحافت کو بہتر کر سکتے ہیں۔

حاضرین کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر سہیل حسن نے کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اُمت مختلف گروہوں میں تقسیم ہوئی۔ اس کے بعد محدثین نے احادیث کی چھان پھٹک کے لیے قواعد و ضوابط مرتب کر دیے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ضعیف اور من گھڑت روایات احادیث کی کتابوں میں آ گئیں' لیکن الحمد للہ' صحاحِ ستہ میں یہ روایات بہت تھوڑی ہیں۔ بخاری اور مسلم میں تو بالکل ہی نہیں ہیں۔ البتہ سنن ابن ماجہ میں کچھ موضوع روایات آئی ہیں۔ پھر محدثین کرام نے ان اصولوں کی روشنی میں بتا دیا ہے کہ کون سی حدیث کس درجے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے وہاں حدیث کا بھی ذمہ لیا ہے۔ محدثین کرام کا یہ کام جو آج تک چلا آ رہا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی ممکن ہوا ہے۔ آج بھی مدینہ منورہ میں ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن

اعظمی نے سولہ جلدوں پر مشتمل ''الحدیث الصحیح الکامل والشامل'' کے نام سے ایک مجموعہ ترتیب دیا ہے جو صرف صحیح احادیث پر مبنی ہے۔ محدثین نے حدیث کی تین قسمیں بیان کی ہیں:(۱) صحیح (۲) حسن (۳) ضعیف۔ ان میں پہلی دو کے مطابق ہم نے عمل کرنا ہے۔ ہمیں حدیث کی اصل کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

آخر میں صدر انجمن ڈاکٹر ابصار احمد نے اپنے مختصر خطاب میں فرمایا کہ جب ۱۹۶۲ء میں بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے منٹگمری (ساہیوال) میں دار المقامہ قائم کیا تھا' ہم چھ سات طلبہ اس میں مقیم تھے۔ وہاں ہمیں عربی' قرآن اور حدیث پڑھانے کے لیے پہلے سہیل صاحب کے بڑے بھائی ڈاکٹر صہیب حسن تشریف لائے' لیکن جب انہیں مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ مل گیا تو ان کے والد مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ تشریف لائے اور ان سے ہم نے مختلف مضامین پڑھے۔ ان کی فیملی کے ساتھ تعلق کی ایک طویل داستان ہے۔ ڈاکٹر صہیب حسن صاحب گزشتہ چالیس بیالیس سال سے انگلینڈ میں مقیم ہیں' اور ماشاء اللہ وہاں بہت کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے ''انگلستان میں اسلام'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے' جس کو دعوۃ اکیڈمی اسلام آباد نے شائع کیا ہے۔ بہت عمدہ کتاب ہے اور اس میں بہت معلوماتی چیزیں ہیں۔ قرآن اکیڈمی کے نوجوان طلبہ سے کہوں گا کہ وہ اس کا مطالعہ ضرور کریں۔ موجودہ حالات جس طرف جا رہے ہیں اس وقت ہمارے پڑھے لکھے لوگ "Intellectual Spiritual Schizophrenia" میں مبتلا ہیں۔ یعنی ایک طرف مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے اور اسلام سے بھی ناطہ نہیں توڑنا چاہتے لیکن دوسری طرف ذہنی اور ثقافتی لحاظ سے ہم اسلام سے بہت دور ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ہم نے ان محاضرات کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ ہمیں یہ یقین ہونا چاہیے کہ ہم نے اللہ کی کتاب قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی سنت وحدیث سے اپنے تعلق کو استوار کرنا ہے۔ ورنہ Schizophrenia کا شکار ہو سکتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مرض سے بچائے اور ایک صحیح مومن کی شکل میں زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم اخروی زندگی میں کامیاب ہوں۔

دوسرے دن پروگرام کا آغاز گیارہ بجے ہوا۔ سٹیج سیکرٹری رشید ارشد نے ابتدائیہ کلمات میں کہا کہ جہاں نبی اکرم ﷺ نے ہمیں اللہ تعالیٰ سے متعارف کروایا' ہمارے معتقدات و ایمانیات کو درست کیا وہیں پر آپ ﷺ نے آنے والے فتنوں سے بھی باخبر کیا' تاکہ اُمتِ مسلمہ فتنوں کے اسباب سے بچ سکے۔ نبی اکرم ﷺ دعا میں ہر طرح کے فتنے سے پناہ طلب کرتے تھے۔ تمام انبیاء سے بڑھ کر نبی اکرم ﷺ نے قربِ قیامت کے حالات کے بارے میں اپنی امت کو متنبہ فرمایا کیونکہ آپ آخری نبی اور رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے کوئی فتنہ المسیح الدجال کے فتنے سے بڑا نہیں ہے۔ اب یہ بات واضح ہے کہ دجال کا خروج آپ ﷺ ہی کی اُمت میں ہونا ہے۔ قربِ قیامت سے متعلق احادیث کو علماء بیان کرتے ہیں تو لوگ ایسی باتوں کو مذاق سمجھتے ہیں' حالانکہ جس طرح موت ایک حقیقت ہے اسی طرح اس کائنات کی موت بھی ایک حقیقت ہے۔ لہٰذا ایسے حقائق کو قریب ہی سمجھنا چاہیے۔ ہر دور کے علماء نے لوگوں کو قیامت کے قریب ہونے کی ہی خبر دی ہے۔ ۱۹۹۱ء میں جب

عراق نے کویت پر حملہ کیا تھا تو اس کے بعد سے قربِ قیامت کے حوالے سے بہت زیادہ لٹریچر منظر عام پر آیا۔ اور یہ سارا لٹریچر ایک پرانی کتاب ''کتاب الفتن'' کی روایات کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا۔ لیکن اس میں خرابی اس وقت پیدا ہوئی جب بعد میں ہونے والے واقعات پر ان روایات کا اطلاق کیا گیا اور اکثر پڑھے لکھے لوگوں میں رسول اللہ ﷺ کے کلام کے حوالے سے تشکیک پیدا ہونا شروع ہوگئی۔ آج ان چیزوں کو الیکٹرانک اور سوشل میڈیا legitimize کرتا ہے جس کی وجہ سے لوگوں میں قرآن وحدیث کے علم سے مناسبت بہت کم ہو چکی ہے۔

مہمان خصوصی ڈاکٹر سہیل حسن نے ''احادیث فتن اور اہل سنت کے موقف'' پر لیکچر دیتے ہوئے کہا کہ لفظ فتنہ یا فتن ابتلاء و آزمائش کے لیے بولا جاتا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث میں اس کا مفہوم شرک' ابتلاء و آزمائش' امتحان' عذاب' گناہ' کفر اور قتل و غارت' شر' گمراہی اور عبرت وغیرہ کے معنوں میں لیا گیا ہے۔ احادیث فتن کو سامنے رکھیں تو نبی اکرم ﷺ اپنی امت کو ڈرایا کرتے تھے کہ وہ فتنوں سے دُور رہیں' اور فتنوں کے دور کی نشانی یہ ہوگی کہ زمانہ قریب آجائے گا' وقت میں برکت ختم ہو جائے گی۔ یہ مشاہدات ہم آج کے دور میں کر رہے ہیں۔ اگر ہم اپنے معاملات میں ان احادیث کو سامنے رکھیں گے تو پھر اپنے اعمال کی افراط و تفریط سے محفوظ رہیں گے' جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے اس طرح کے بے شمار فتنے پیدا ہوئے تھے اور انہوں نے قرآن وسنت کو سامنے رکھ کر ان کا مقابلہ کیا اور اپنے آپ کو ان سے محفوظ کیا۔ علماء نے احادیث فتن کے سمجھنے کے لیے مختلف قواعد وضوابط مرتب کیے ہیں۔ ہمیں احادیث کے مطالعے کے وقت ان اصولوں کو سامنے رکھنا چاہیے:

(۱) جب بھی کوئی فتنے کی بات ہو یا حالات کے بدلنے کی بات ہو تو اس میں ہمیں تین چیزوں کا خیال رکھنا ہوگا۔ ایک نرمی' دوسری تحمل اور تیسری حلم و بردباری۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ نرمی جس شے میں بھی ہو گی تو وہ اس شے کو خوبصورت بنا دے گی' اور سختی جس شے میں بھی ہوگی وہ اس شے کو بدصورت بنا دے گی۔ لہٰذا ہمیں ہر معاملے کو نرمی کے ساتھ حل کرنا چاہیے' کیونکہ کوئی بھی معاملہ ہو اگر اس میں سختی' تشدد' تعصب آجائے گا تو وہ برباد ہو جائے گا۔ دوسری چیز برداشت ہے' یعنی معاملہ جلد بازی سے نہیں حل کرنا چاہیے۔ اگر کوئی مسئلہ پیش آئے تو فوراً فیصلہ دینا نہیں چاہیے بلکہ سوچ سمجھ کر تحمل کے ساتھ اس کی گہرائی تک پہنچنا چاہیے' کیونکہ یہ معاملہ نبی اکرم ﷺ کے علم کا ہے' کوئی عام معاملہ نہیں ہے۔

(۲) کسی بھی معاملے میں اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں دے سکتے جب تک کہ اس کے بارے میں ہمارے پاس تصور نہ ہو' کیونکہ کسی چیز کے بارے میں فیصلہ دینا اس کے تصور کا ہی نتیجہ ہوتا ہے۔ یعنی کسی چیز کے بارے میں معلوم ہی نہ ہو تو پھر ہم اس کے بارے میں فیصلہ کیسے دے سکتے ہیں۔ ہمارے پاس اس کے بارے میں مکمل معلومات ہونی چاہئیں۔ اور ہمیں یہ بھی پتا ہو کہ اس مسئلے کے بارے میں اللہ ورسول ﷺ نے کیا کہا ہے۔

(۳) ہر معاملے میں عدل وانصاف کو سامنے رکھنا ہے۔ یعنی کسی مسئلے کے صرف ایک پہلو کو نہیں دیکھنا بلکہ اس کے مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا چاہیے۔ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ اس بارے میں ہمارا

دین ہمیں کیا راہنمائی دیتا ہے۔

(۴) ﴿وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا﴾ کے قرآنی اصول کو سامنے رکھنا ہے۔یعنی اجتماعیت کو پکڑنا اور تفرقہ‘ انتشار سے بچنا ہے۔ کیونکہ انتشار چاہے افکار میں ہو‘ اعمال میں ہو‘ اقوال میں ہو وہ ایک عذاب ہے۔علماء ومحدثین کا ایک ہی قول ہے کہ جب تک اتحادِ اُمت نہیں ہوگا اُس وقت تک نجات نہیں ہوگی اور جو فرقہ واریت میں جاتا ہے وہ تباہ ہو جاتا ہے۔

(۵) جو نئی جماعتیں اور گروپس ہیں ان کے لیے ہمارے پاس ایک کسوٹی اور معیار ہونا چاہیے۔ ہمارے پاس میزان ہونی چاہیے جس کے ذریعے انہیں پرکھ سکیں۔ یہ دیکھا جائے کہ وہ اسلام کے مطابق ہیں یا نہیں‘ اور اسلام کے حوالے سے ان میں کتنی استقامت ہے۔ کیا ان میں صرف ظاہری اسلام ہی ہے یا ان کے اندر حقیقی اسلام ہے۔یعنی ان کے اندر توحید ورسالت کا کیا معیار ہے‘ ان کا منشور کیا ہے‘ اور وہ اپنے قول وفعل میں سچے اور کھرے لوگ ہوں۔

(۶) پھر حکمرانوں کو نصیحت کیسے کرنی ہے۔جس طرح آج ہمارے معاشرے میں لوگ حکمرانوں کو مخاطب کرتے ہیں جس میں بدتمیزی کا پہلو ہوتا ہے‘ ایسے نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ صحیح طریقہ یہی ہے کہ ان کے لیے دعا کی جائے۔ ہمارے ائمہ سلف اپنے حکمرانوں کے لیے کثرت سے دعا کرتے تھے۔ پھر ہر چیز نہیں بیان کی جاتی‘ بلکہ سوچ سمجھ کر حکمرانوں کے بارے میں بات کی جائے۔یعنی ایسی بات نہیں کہنی چاہیے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو جائے۔لہٰذا وہی بات کہو جس سے حقیقت میں لوگوں کو فائدہ ہو۔ایسی باتیں نہیں پھیلانی چاہئیں جن میں حکمرانوں کے خلاف بغاوت پر اکسایا جائے۔ائمہ کرام ایسی احادیث کو پھیلانا مکروہ قرار دیتے تھے۔

(۷) قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے ساتھ دوستی‘ محبت اور مودت کا حکم دیا ہے‘ خاص طور پر علماء کرام کے ساتھ جو توحید‘ قرآن وسنت کے علمبردار ہیں اور موجودہ حالات کو سمجھتے ہوئے شرعی حکم دے سکتے ہیں‘ کیونکہ شرعی حکم بیان کرنا بھی بڑی مہارت ہے۔لہٰذا کوئی بھی مسئلہ درپیش آئے تو ان سے معلوم کیا جائے کہ وہ کیا کہتے ہیں۔

(۸) غیر مسلموں کے ساتھ ہمارا کیا تعلق ہونا چاہیے۔ان کی مدد کرنا‘ ان سے دوستی اور ان کے ساتھ محبت جائز نہیں‘ البتہ ان سے مدد لے سکتے ہیں۔

حاضرین کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر سہیل حسن نے کہا کہ ہمیں صحابہ کے اختلافات کو بالکل صحیح احادیث کی روشنی میں دیکھنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم ان پاکیزہ ہستیوں کے خلاف کوئی بات کہہ دیں جو گستاخی پر مبنی ہو۔اگر ضعیف حدیث میں گہرا ضعف نہیں ہے یا اس طرح کی دوسری احادیث موجود ہیں تو اس کو حسن لغیرہ سمجھا جائے گا۔ضعیف حدیث کے بارے میں تین موقف ملتے ہیں: (۱) اس کو رد کیا جائے گا۔(۳) اس پر عمل کیا

جائے گا۔ (۳) بعض شرائط کی بنا پر اس پر عمل کیا جائے گا۔ لیکن ہمارے پاس صحیح احادیث کا بے شمار ذخیرہ ہے‘ ہمیں اپنی توجہ اسی پر مرکوز کرنی چاہیے۔

آخر میں صدر انجمن ڈاکٹر ابصار احمد صاحب نے اپنے خطاب میں کہا کہ بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کو ہم سے رخصت ہوئے آٹھ سال ہونے والے ہیں۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی دین کی خدمت کرتے ہوئے گزاری۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے تھے کہ دین کے مصادر دو ہیں‘ ایک قرآن پاک اور دوسری حدیث رسولؐ۔ احادیث کا مجموعہ بہت وسیع ہے‘ لیکن ہمیں کم سے کم صحاح ستہ کا مطالعہ تو کرنا چاہیے‘ کیونکہ محدثین نے ان پر بہت محنتیں کی ہیں۔ ہمیں صرف قرآن کو ہی ہدایت کا منبع و سرچشمہ نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ اس کے ساتھ احادیث اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ مسلسل کرتے رہنا چاہیے۔ مولانا ابوالکلام آزاد‘ مولانا مودودی‘ سید قطب اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ جیسی شخصیات نے یہ تصور عام کیا کہ اسلام صرف مذہب نہیں بلکہ دین ہے۔ موجودہ دور میں بھی ڈاکٹر شبیر اختر‘ جو انگلینڈ میں پلے بڑھے‘ وہیں تعلیم حاصل کی‘ وہ بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ اسلام پورے دین کا نام ہے نہ کہ صرف انفرادی عبادات کا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح کے علمی محاضرات منعقد ہونے چاہئیں۔ عزیزم رشید ارشد اس سلسلے میں کوششیں کر رہے ہیں‘ لیکن دوسرے نوجوانوں کو بھی اس کام کے لیے آگے آنا چاہیے اور وہ فورمز کو چلانے کی کوشش کریں‘ تاکہ لوگوں کو ان سے motivation ملے۔ ہم اس وقت دنیا کی دوڑ میں لگے ہوئے ہیں‘ لیکن نبی اکرم ﷺ کی حدیث کے مطابق اصل دانا وہ ہے جو موت کے بعد کی زندگی کے لیے محنت و کوشش کرے۔ اس حدیث کو سامنے رکھ کر ہمیں اپنی زندگی گزارنی چاہیے۔

☆☆☆

ایک سالہ کورس کی اختتامی اور قرآن اکیڈمی اُلمنائی کی افتتاحی تقریب

یکم اپریل ۲۰۱۸ء بروز اتوار صبح گیارہ بجے ڈاکٹر عارف رشید صاحب کے ہفتہ وار درسِ قرآن کے بعد قرآن آڈیٹوریم نیو گارڈن ٹاؤن لاہور میں تقریب کا آغاز ہوا۔ اس تقریب کو دو حصوں میں منقسم کیا گیا تھا۔ پہلا حصہ رجوع الی القرآن کورس پارٹ ون اور پارٹ ٹو کے فارغ ہونے والے طلبہ میں اسناد کی تقسیم اور طلبہ کے تاثرات پر مشتمل تھا۔ دوسرا حصہ قرآن اکیڈمی اُلمنائی (Alumni) کے اجلاس پر مشتمل تھا‘ جس میں ان کورسز سے فارغ التحصیل سابق طلبہ اور اساتذہ کو مدعو کیا گیا تھا۔ ان میں سے کچھ اساتذہ نے اپنے تاثرات بیان کیے۔ اس اجتماع میں پورے پاکستان سے اور سب سے زیادہ کراچی سے ۲۴ حضرات شریک ہوئے۔ کورسز کے کوآرڈینیٹر رشید ارشد نے سٹیج سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیے۔

رجوع الی القرآن کورس کے استاد رشید ارشد نے اپنی ابتدائی گفتگو میں کہا کہ ۸۰ کی دہائی کے اوائل میں بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ نے اس کام کا آغاز کیا تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے مرکزی انجمن خدام القرآن بنائی تاکہ قرآن کے خدام پیدا کیے جاسکیں۔ الحمد للہ اب پورے پاکستان میں ایسے خدام ہیں جو

بلاتفریق مسلک خدمت قرآنی کا کام کررہے ہیں۔

انہوں نے دونوں کورسز میں پڑھائے جانے والے مضامین کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ عربی گرامر حافظ مطیع الرحمٰن نے پڑھائی، لیکن تکمیل سے پہلے ان کی سرکاری جاب ہوگئی اور وہ چھوڑ کر چلے گئے۔ان کی جگہ مفتی ارسلان محمود نے عربی گرامر کی تدریس مکمل کی۔

ترجمہ قرآن حافظ مومن محمود اور منتخب نصاب حافظ محسن محمود نے پڑھایا۔مطالعہ حدیث کی ذمہ داری میرے پاس تھی۔اصول الفقہ کی تدریس شہرام اقبال نے کی۔امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی کتاب ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' کا سبقاً سبقاً مطالعہ کروایا۔اس کے علاوہ حافظ عاطف وحید' چودھری رحمت اللہ بٹر اور جمیل الرحمٰن عباسی نے مختلف موضوعات پر لیکچرز دیے۔

اس کے بعد کچھ طلبہ نے اپنے تاثرات بیان کیے۔

جناب شیر افگن جو تنظیم اسلامی کے ملتزم رفیق ہیں' نے اپنے تاثرات میں کہا کہ اس کورس میں مختلف ذہن کے لوگ ہوتے ہیں۔ہمارے اساتذہ نے ہمیں مختلف نوعیت سے ہینڈل کیا'ان کا تدریسی انداز روایتی نہیں تھا۔اس کورس کے کرنے سے اپنے کردار میں تبدیلی محسوس کی۔پہلے میرے پاس صرف علم تھا لیکن اس کورس سے اس علم کے مطابق عمل کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔یہ سب اساتذہ کی محنت کا نتیجہ ہے۔

ڈاکٹر مدثر اقبال جنہوں نے اس کورس میں پہلی پوزیشن حاصل کی' انہوں نے کہا کہ ایم بی بی ایس کی تعلیم کے دوران اللہ نے دینی تعلیم کا احساس پیدا کیا۔دنیوی تعلیم کے دوران دین کی تعلیم سیکھنے کا ماحول بہت کم میسر آتا ہے۔اس کورس میں میرے ساتھی بہت قربانیاں دے کر آئے۔اللہ ان کی اس کاوش کو قبول کرے۔اس کورس سے اللہ' رسول اللہ ﷺ اور قرآن کے ساتھ قلبی تعلق پیدا ہوا۔نماز میں قرآن کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوئی۔اساتذہ نے دورِ جدید کے فتنوں کی حقیقت بتائی۔سب سے بڑا سبق یہ حاصل ہوا کہ زندگی کس پلاننگ کے ساتھ گزاری جائے۔اصل مومن وہ ہے جو اپنی موت کو سامنے رکھ کر زندگی گزارتا ہے' کیونکہ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے۔

اس کے بعد طلبہ میں اسناد تقسیم کی گئیں۔پارٹ ون کے طلبہ میں صدر انجمن ڈاکٹر ابصار احمد صاحب اور پارٹ ٹو کے طلبہ میں ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے اسناد تقسیم کیں۔

قرآن اکیڈمی اُلمنائی کی تشکیل اور تقریب

شعبہ تحقیق اسلامی کے انچارج حافظ عاطف وحید صاحب نے اُلمنائی کے اس پہلے پروگرام میں تمام حضرات کو خوش آمدید کہتے ہوئے کہا کہ اس دعوت رجوع الی القرآن کا ناطہ نبی اکرم ﷺ کے فرامین کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔اس خطے میں اٹھارہویں صدی میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ اور ان کے صاحبزادگان نے اس کام کا آغاز کیا۔بیسویں صدی کے شروع میں حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت قرآنی کے ساتھ مولانا ابوالکلام آزادؒ

نے الہلال اور البلاغ کے ذریعے قرآنی فکر کو اجاگر کیا۔ بیسویں صدی کے نصف آخر میں ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ نے اس کام کو شروع کیا۔ جبکہ آغاز صدی میں حضرت شیخ الہندؒ نے اسارتِ مالٹا سے واپس آکر قرآنی فکر کو عام کرنے کا جو پروگرام بنایا ڈاکٹر صاحب نے اس کو ایک عملی شکل دی۔ پہلے حلقہ ہائے دروس قائم کیے' پھر انجمن خدام القرآن قائم کی۔ آپ نے رجوع الی القرآن کورسز سے پہلے فیلوشپ اسکیم شروع کی تھی۔ شروع میں جن اساتذہ نے خدمات سرانجام دیں ان میں حافظ احمد یار رحمہ اللہ' علامہ شبیر بخاری رحمہ اللہ اور شیخ الحدیث مولانا الطاف الرحمٰن بنوی شامل ہیں۔ جبکہ معروف شخصیات عمران این حسین' ڈاکٹر باسط بلال کوشل اور ڈاکٹر ماہان مرزا اس کورس کے فضلاء میں شامل ہیں۔

قرآن اکیڈمی اَلمنائی کے حوالے سے پہلے ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ اور حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ نے متعدد بار تذکرہ کیا کہ جو لوگ یہاں سے فارغ ہو کر چلے گئے ہیں ان سے رابطہ اور تعلق کیسے قائم کیا جائے۔ الحمد للہ اس حوالے سے ہم نے آغاز کر دیا ہے۔ ہمارے پیش نظر یہی ہے کہ انجمن کے اہداف کے ضمن میں باہمی ربط وضبط قائم کیا جائے۔ جو لوگ دین کی خدمت کرنا چاہتے ہیں ہم ان کو سپورٹ کریں اور ان کو معاونت مہیا کریں۔

سٹیج سیکرٹری رشید ارشد نے کہا کہ میری نگرانی میں ان کورسز کے تقریباً ۱۸ بیجز مکمل ہوئے ہیں' لیکن یہاں بہت سے لوگوں نے بھی تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ کچھ شخصیات کا انتقال ہو چکا ہے۔ ہمارے ایک نوجوان ساتھی محمد فواد جن کا کچھ عرصہ پہلے انتقال ہوا' انہوں نے یہاں بہت عمدہ تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ حافظ نذیر احمد ہاشمی نے یہاں برسوں علومِ دینیہ کی تدریس کی۔ عطاء الرحمٰن ثاقب مرحوم' جن کو کچھ سال پہلے لاہور میں قتل کر دیا گیا تھا' وہ بھی یہاں عربی پڑھاتے رہے' بعد میں انہوں نے فہم قرآن کے حوالے سے تحریک شروع کی تھی۔ حافظ علاؤ الدین نے ترجمہ قرآن اور تجوید کی تدریس کی۔ آج کل راولپنڈی میں المہیمن ادارہ کے ذریعے دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ لطف الرحمٰن خان' حافظ ابراہیم' انجینئر محمد علی' حافظ اشرف آصف حمید اور حافظ رفیق نے بھی ان کورسز میں تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کی خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں بہترین اجر سے نوازے۔

اس کے بعد کچھ حضرات نے اپنے تاثرات بیان کیے' جنہوں نے پہلے ان کورسز میں تعلیم حاصل کی اور پھر ان میں تدریسی فرائض سرانجام دیے۔

قرآن اکیڈمی کراچی کے استاد اویس پاشا قرنی نے پارٹ ون کراچی سے کیا تھا' پھر پارٹ ٹو لاہور میں کیا۔ انہوں نے اپنے تاثرات میں کہا کہ میرا یہ زندگی تبدیل کرنے والا تجربہ تھا۔ ہمارے اساتذہ نے ہمارے اندر علمی ذوق پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس کورس کے بعد بڑی بڑی کتابوں کے مطالعے کا موقع ملا۔ اساتذہ کی شفقت ہر وقت ہمارے ساتھ تھی۔ آج بھی ہم اگر کوئی دین کا کام کر رہے ہیں تو اس میں اساتذہ کی راہنمائی شامل ہے۔

ناظم شعبۂ سمع و بصر آصف حمید نے کہا کہ میں نے ۱۹۹۰ء میں یہ کورس کیا۔ ۱۹۹۳ء میں قرآن اکیڈمی میں شام کی کلاسز پڑھائیں۔ ۱۹۹۴ء سے ۲۰۰۵ء تک عربی زبان ایک سالہ کورس میں پڑھائی۔ تدریس کا تجربہ بہت خوبصورت تھا۔ حافظ احمد یار رحمہ اللہ' مولانا نذیر احمد ہاشمی اور جاوید احمد (کراچی) میرے استاد تھے۔ اس کے علاوہ مولانا عصمت اللہ نے ہمارے اندر ترکیب قرآن کا ذوق پیدا کیا۔ ان کورسز کے دو مقاصد ہیں یعنی سیکھنا اور سکھانا۔ اس کورس کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ یہاں سے لوگ قرآن سیکھتے ہیں اور پھر سکھاتے ہیں اور ایسے لوگ انجمن خدام القرآن کے مقاصد کو آگے بڑھانے میں بہترین رول ادا کر رہے ہیں۔

COMSATS یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد زبیر نے کہا کہ اس کورس میں ہمیں اساتذہ نے بہت محنت سے پڑھایا۔ اس کورس سے میری زندگی کی لائن تبدیل ہوگئی اور مجھے مزید دین کا علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ پہلے مجھے نہ لکھنا آتا تھا اور نہ ہی خطاب کر سکتا تھا۔ قرآن اکیڈمی کے دو شعبوں (شعبۂ تدریس اور شعبۂ تحقیق) سے میں نے قوتِ بیان اور تحریر کی صلاحیت حاصل کی۔ آج مجھ سے کوئی بھی کہتا ہے کہ میں دین کی تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہوں تو میں اسے رجوع الی القرآن کورسز کرنے کا مشورہ دیتا ہوں۔

ایک سالہ کورس کے سابق استاد حافظ انجینئر عبداللہ محمود (ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے چھوٹے بھائی وقار احمد صاحب کے فرزند) نے کہا کہ کوئی بھی قرآنی کورس ہو وہ ہمیں قرآن سکھاتا ہے اور ہمارے اندر ہدایت حاصل کرنے کی تڑپ پیدا کرتا ہے۔ قرآن کا اعجاز ہے کہ جو دل سے اسے تھامے گا اللہ تعالیٰ انگلی پکڑ کر اسے چلائے گا۔ ایک سالہ کورس ہماری منزل نہیں بلکہ یہ تو ابتدا ہے۔ ہم اگر دین کا کام کرتے ہیں تو اس میں ہمارے اندر اپنے آپ کو کچھ سمجھنا (تکبّر) نہیں ہونا چاہیے۔ ہماری سوچ ان چیزوں سے پاک ہونی چاہیے۔ اصل مقصود رب کی رضا ہونی چاہیے۔ میرے والد صاحب نے بھی دو سالہ کورس کیا تھا۔ وہ بہت محنت کرتے تھے' ہم سے باقاعدہ ترجمہ قرآن کے نوٹس بنواتے۔ آج اگر میں کچھ دین کا کام کر رہا ہوں تو انہی کی محنت کا نتیجہ ہے۔

انجمن خدام القرآن فیصل آباد کے صدر ڈاکٹر عبدالسمیع' جو شروع کی فیلوشپ اسکیم کا حصہ تھے' نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا کہ جب میں نے ۱۹۷۴ء میں پہلی مرتبہ مسجد شہداء میں ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کا درسِ قرآن سنا تو میرے اندر تبدیلی پیدا ہونا شروع ہوگئی۔ اس کے بعد میں نے ڈاکٹر صاحب کا درس قرآن ریگولر سننا شروع کیا۔ ڈاکٹر صاحب میرے بارے میں کہا کرتے تھے کہ ''میں نے جو دعوت کا کام شروع کیا ہے وہ یہ کرے گا۔'' ایک مرتبہ میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ آپ کی تحریریں بہت مشکل ہوتی ہیں ان کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ آپ نے اپنے جلالی انداز میں مجھ سے کہا: ''سارے کام میں ہی کروں؟ تم ان تحریروں کو آسان کرو!'' اس کے بعد میں نے ڈاکٹر صاحب کے فکر کو آسان انداز میں پیش کرنے کا کام کیا۔ ڈاکٹر صاحب کا منتخب نصاب میرے لیے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے منتخب نصاب کی حیثیت key کی ہے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کے علاوہ حافظ احمد یار رحمہ اللہ اور مولانا الطاف الرحمان بنوی سے پڑھا ہے۔ حافظ

احمد یار صاحب کا پڑھانے کا انداز بہت سادہ تھا۔ اگر آپ قرآن مجید کے ساتھ اپنا رابطہ مضبوط رکھیں گے تو آپ کی ڈائریکشن اللہ اور آخرت کی طرف رہے گی۔ قرآن مجید کی ہدایت اس کی تلاوت کے ساتھ مشروط ہے۔ قرآن کی تلاوت ہمارے اسلاف کا معمول تھا۔ ہمیں بھی قرآن کی تلاوت کا معمول بنانا چاہیے۔ ہمارے پاس اللہ کے فضل سے جتنا بھی اس وقت دینی علم ہے وہ ڈاکٹر صاحب کا فیضان ہے' لہٰذا ہمیں ان کے لیے ہمیشہ دعائے مغفرت کرنی چاہیے۔

پروگرام کے آخر میں صدر انجمن جناب ڈاکٹر ابصار احمد نے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں اس مجلس کو دیکھ کر بہت خوشی محسوس کر رہا ہوں جو ایک اعتبار سے قافلہ مہر و وفا ہے' یعنی قرآن حکیم اور اس کے پیغام و دعوت کے ساتھ محبت اور وفاداری کا اظہار ہے۔ آج narcissism اور انفرادیت کا دور دورہ ہے جبکہ بحیثیت مسلمان ہمیں امت بنایا گیا ہے۔ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے انجمن کے ساتھ ساتھ قیام نظام اسلامی کی عملی جِدّوجُہد کے لیے احیائی حزب (تنظیم اسلامی) کی بھی بنیاد ڈالی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کورسز میں ''عمدۃ العلم'' مہیا کیا جاتا ہے۔ اَلُمنائی کی تقریب مل بیٹھنے کا موقع اچھا ہے جو ہمارے لیے پرانے دینی اسباق اور ذمہ داریوں کی یاددہانی کروا سکتا ہے۔ بہرحال یہ بہت اچھا خیال ہے۔ حافظ عاطف وحید اور ان کے ساتھیوں نے بہت محنت کی۔ یہ پوری مجلس ایک مقصد کے تحت ہے۔ ہمیں دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں علم نافع عطا کرے اور ہمارا یہ پڑھنا پڑھانا باعث برکت ہو' تاکہ ہم نبی اکرم ﷺ کی حدیث ''تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔'' کا مصداق بن سکیں۔ علم حاصل کرنے کے بعد اس پر عمل نہ کرنا یا اسے دوسروں تک نہ پہنچانا بہت بڑی محرومی کا کام ہے' کیونکہ حدیث کے مطابق آخرت میں جو پانچ سوال پوچھے جائیں گے ان میں ایک یہ سوال ہوگا کہ جتنا علم حاصل کیا تھا اس پر عمل کتنا کیا؟ آپ ان کورسز کے ذریعے اپنی علمی بنیادیں مضبوط کرتے ہیں۔ ہم نے جو پڑھا اور سیکھا ہے اس کو داخلی طور پر محفوظ بنانے کی ضرورت ہے تاکہ یہ چیزیں ہمارے اندر رچ بس جائیں۔ کراچی سے جو حضرات تشریف لائے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ وہ طائفہ منصورہ ہے۔ آپ سب حضرات کا یہاں تشریف آوری کا بہت بہت شکریہ۔

آخر میں محترم حافظ محمد رفیق نے دعا کرائی اور پھر تمام حضرات قرآن اکیڈمی تشریف لائے جہاں نماز ظہر باجماعت ادا کی گئی اور پھر سب شرکاء کی پُرلطف کھانے سے تواضع کی گئی۔ مندرجہ بالا دونوں تقاریب کی ویڈیو ریکارڈنگ قارئین اس لنک پر دیکھ سکتے ہیں:

www.youtube.com/watch?v=UWbyC4YBrgg

https://www.youtube.com/watch?v=G0reGoazhFo